(۷) تدبر قرآن، جلد چہارم، ص ۱۵۹۔ فاران فاؤنڈیشن ۱۳۲، فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور، سن ۱۹۸۸ء

(۸) تدبر قرآن، جلد ہفتم، ص ۶۱۰ (سورہ ذاریات تفسیر زیر آیت ۳۳۔۳۴) بقیہ تفصلات ایضاً

(۹) تفہیم القرآن، جلد دوم، ص ۳۵۹۔ (سورہ ھود۔ حاشیہ نمبر ۹۱) ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور، طبع نہم، سن ۱۹۷۵ء

(۱۰) تدبر قرآن، جلد سوم، ص ۳۰۹۔ فاران فاؤنڈیشن ۱۳۲، فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور، سن ۱۹۸۸ء

(۱۱) جوئے نور، ص ۱۹۵، ۱۹۶۔

(۱۲) بائبل، کتاب پیدائش، باب ۲۵، آیت نمبر ۱۔

(۱۳) ضیاء القرآن، جلد سوم، ص ۳۱۳۔ ضیاء القرآن، پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور، سن ۱۳۹۹ھ

(۱۴) المستدرک جلد دوم، ص ۵۶۹۔ کتاب التاریخ دار المعرف، بیروت لبنان، سنہ اشاعت درج نہیں۔

(۱۵) ارض القرآن، جلد دوم، ص ۲۶۶، دار الاشاعت کراچی ۱۹۷۵ء۔

(۱۶) تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۵۳۴، (سورہ الشعراء۔ حاشیہ نمبر ۱۱۷) مکتبہ تعمیر انسانیت، اندرون موچی دروازہ، لاہور، طبع ہفتم ۔ سن ۱۹۷۳ء

(۱۷) ترجمان القرآن، جلد دوم، ص ۴۷، (حاشیہ زیر آیت ۱۳۲، الاعراف) شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ لمیٹڈ، پبلشرز، (لاہور حیدر آباد، کراچی) ادبی مارکیٹ، چوک انار کلی، لاہور، سنہ اشاعت درج نہیں۔

(۱۸) ضیاء القرآن، جلد سوم، ص ۶، ۷، پیر محمد کرم شاہ الازھری، مکمل حوالہ اوپر مذکور ہوا۔

(۱۹) تفسیر ثنائی۔ جلد اول (حصہ۔۳) جلد ۳، ص ۱۳۷، ثناء اللہ امرتسری، میر محمد کتب خانہ آرام باغ، کراچی، سنہ اشاعت درج نہیں۔

(۲۰) کتاب مقدس، کتاب خروج، باب ۷، ۸، ۹ کی مختلف آیات دیکھیے۔

(۲۱) المفردات فی غریب القرآن، کتاب الالف، ص ۴۰۰، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، کراچی، سنہ اشاعت درج نہیں۔

(۲۲) تدبر قرآن، جلد چہارم، ص ۱۳۱، (تفسیر زیر آیت ۳۹، سورۃ ھود) مکمل حوالہ اوپر مذکور ہوا۔

(۲۳) ترجمان القرآن، جلد دوم، ص ۶۶، سورۃ الاعراف کا حاشیہ نمبر ۲۱، مکمل حوالہ اوپر مذکور ہوا۔

(۲۴) انگلستان میں اسے سن ۱۹۶۷ء میں قانونا جائز قرار دیا گیا۔

☆☆

قرآن اور تمثیلات

علامہ شاہ محمد جعفر ندوی پھلواریؒ

کسی کو بات سمجھانے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ ایک ہے عقلی استدلال۔ دوسرے جذباتی اپیل۔ تیسرے روحانی تاثیر۔ چوتھے تشبیہ و تمثیل اور پانچویں مادی طاقت کا استعمال۔ جب ہم اقلیدس کی شکل اثباتی کسی کو سمجھاتے ہیں تو وہاں صرف عقلی استدلال سے کام لیتے ہیں۔ وہاں نہ جذبات کو ابھارتے ہیں نہ روحانی زور لگاتے ہیں۔ نہ مثالیں دیتے ہیں نہ مادی طاقت کو حرکت میں لاتے ہیں۔ اسی طرح اولاد کی محبت کا فلسفہ سمجھانے کے لیے صرف جذبات کو چھیڑ دینا کافی ہوتا ہے۔ وہاں نہ عقلی استدلال کا کام ہے، نہ روحانی تاثیر کا، نہ تشبیہات کا اور نہ طاقت کا۔ یونہی بعض اوقات صرف روحانی تاثیر وہ کام کر جاتی ہے جو کسی اور طریقے سے ممکن نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ کی زبانی شان رسالت میں گستاخانہ کلمات سن کر روتے ہوئے آتے ہیں۔ حضور ﷺ صرف اتنا فرماتے ہیں۔ اللھم اھد ام ابی ھریرہ ۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بادل ناخواستہ گھر واپس آتے ہیں تو والدہ کلمہ شہادت ادا کر رہی ہوتی ہیں۔ یہاں نہ عقل و فلسفہ تھا نہ تمثیلات، نہ جذباتی اپیل، اور نہ مادی طاقت کا استعمال۔

اس وقت ان تمام طریقوں سے بحث کرنا مقصود نہیں۔ یہاں صرف ایک ہی چیز پر گفتگو کرنی ہے اور وہ ہے تشبیہات و تمثیلات سے سمجھانا۔ یوں تو تمام طریقہائے تفہیم اپنی اپنی جگہ کارگر اور سود مند ہیں اور کافی ہیں لیکن تمثیلاتی طریقہ اپنے اندر ایک عجیب تاثیر رکھتا ہے۔ اس سے تین فائدے ہوتے ہیں۔

تمثیل کے فوائد

۱۔ اگر کوئی اور طریقہ پوری طرح کارگر نہ ہو تو صرف تشبیہات و تمثیلات سے بات پوری طرح سمجھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آجاتی ہے۔

۲۔ اگر دوسرے طریقوں سے سمجھانے کے بعد بات سمجھ میں آگئی ہو۔ لیکن پوری طرح دماغ اسے گرفت نہ کر سکا ہو۔ یا ابھی کچھ شکوک وشبہات باقی رہ گئے ہوں اور پوری تسکین نہ ہو سکی ہو تو تمثیلات سے یہ خلا پر ہو جاتا ہے۔ اور تشبیہات اس کسر کو پورا کر دیتی ہیں۔

۳۔ اگر بات پوری طرح سمجھ میں آگئی ہو تو تمثیلات سے مزید وضاحت اور پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بات دل کی گہرائیوں تک اتر جاتی ہے۔

غرض تمثیلات کسی حالت میں بے فائدہ نہیں ہوتیں۔ یہ صحیح ہے کہ منطقی حیثیت سے مثال لنگڑی ہوتی ہے اور چار پاؤں سے نہیں چلا کرتی اور بقول عارف رومی پائے استدلال۔ چوبیں اور بے تمکیں ہوتا ہے لیکن تشبیہ اپنی تاثیر کے لحاظ سے بعض اوقات تمام طریقہ ہائے تفہیم کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔ بلاشبہ تشبیہ وتمثیل کا وہ درجہ نہیں جو منطقی استدلال کا ہوتا ہے لیکن تفہیم کا مقصد عموماً اس کے بغیر تشنہ رہ جاتا ہے۔

تمثیل سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو بات عقلی ومنطقی استدلال سے بڑی دیر میں یا بڑی مشکلوں سے سمجھ میں آتی ہے وہ تمثیل کے ذریعے بہت جلد آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ بے شمار انسان دنیا میں ایسے ہیں جن کے دماغوں کی ساخت دوسرے طریقہ ہائے تفہیم کو جلدی قبول نہیں کرتی مگر مثالوں کو فوراً قبول کر لیتی ہے۔

تمثیل کی ضرورت

یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر پیغمبر، ہر حکیم، ہر عاقل، ہر دانا، ہر خطیب، ہر مصنف اور ہر معلم کو تشبیہات اور تمثیلات سے بھی کام لینا پڑا ہے۔ انہوں نے صرف عقلی استدلال پر اکتفا نہیں کر لیا۔ صرف جذبات کو ابھار کر نہیں چھوڑ دیا۔ محض طاقت کو حرکت میں لا کر الگ نہیں ہو گئے۔ اور فقط روحانی تاثیرات پر قناعت نہیں کی۔ وہ ہر ایک طریقے کو کام میں لاتے رہے۔ مگر تمثیلات و تشبیہات سے کسی کو مفر نہ ہو سکا۔ انہوں نے یہ تمام طریقہ ہائے تفہیم اس لیے اختیار کیے کہ جو دماغ جس طریقے سے مناسبت رکھتا ہو گا وہ اسی راستے سے آئے گا اور یہ تمثیلات اس کو اسی راستے سے ہدایت کی منزل تک آنے میں مدد دیں گی۔

انبیاء علیہم السلام میں سیدنا مسیح علیہ السلام تمثیلات کے بادشاہ ہیں اور ایسی ایسی تمثیلیں دیتے ہیں کہ بڑے سے بڑا عقلی استدلال بھی وہاں پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ حکماء وصوفیاء میں عقلی استدلال کے ساتھ تشبیہات کا امام شاید رومی سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ ان سب سے قطع نظر کر کے اگر آپ قرآن پاک اور احادیث نبوی پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو بے شمار ایسی تمثیلات وتشبیہات ملیں گی جن سے زیادہ چسپاں کوئی مثال، اور جن سے زیادہ مؤثر کوئی اور چیز نہیں مل سکتی۔ پورے

قرآن اور تمام احادیث کی ساری مثالوں کو پیش کرنا مقصود نہیں اور نہ یہاں اس کا موقع ہے۔ ہم دونوں میں سے ہر ایک کی تھوڑی تھوڑی امثلہ یہاں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جن سے الٰہی تمثیلات اور نبوی تشبیہات کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ اور پھر اس سے یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ ہر صاحب علم نے تشبیہات کے ذریعے کیوں بہت سے مسائل سمجھائے اور سلجھائے ہیں۔

قرآنی نظریہ تمثیل

قرآن کے پیش نظر صرف مقاصد تمثیلات ہی نہیں بلکہ دو ضروری اجزائے تمثیلات ہیں اس لیے قرآنی تمثیلات سننے سے پہلے یہ دونوں باتیں بھی سن لینی چاہییں۔ اول تو قرآن کا نظریہ تمثیل ہے جس میں وہ بیان فرماتا ہے:۔

ان اللّٰہ لا یستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقھا فامّا الذین اٰمنوا فیعلمون انہ الحق من ربھم واما الذین کفروا فیقولون ما ذا اراد اللّٰہ بھذا مثلاً ۔۔

اللہ تعالیٰ کو مچھر یا اس سے بھی کمتر چیز کی مثال پیش کرنے میں کوئی حجاب نہیں آتا۔ ایمان والے لوگ تو ایسی مثال سن کر یقین کر لیتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ لیکن اہل کفر یہ کہتے ہیں کہ اس سے خدا تعالیٰ کا مقصود کیا ہے؟

یہاں یہ چیز نوٹ کر لیجیے کہ قرآن میں کہیں بھی مچھر کی کوئی تمثیل بیان نہیں کی گئی ہے۔ مکھی مکس شہد اور مکڑی کا تو ذکر ہے لیکن مچھر کا کہیں کوئی ذکر نہیں۔ لیکن انہی چیزوں کے ذکر پر اہل کفر یہ طنز کرتے تھے کہ یہ کیا خدا کا کلام ہے۔ جس میں مکھی مچھر کا ذکر ہوتا ہے؟ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ مچھر تو الگ رہا اگر اس سے بھی کوئی حقیر چیز ہو تو مثال میں اسے پیش کرنے سے اللہ کو شرم نہیں آتی۔ مطلب یہ ہے کہ مثال میں گھٹیا سے گھٹیا چیز بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ دیکھنے کی چیز "ممثل لہٗ" (جس چیز سے تشبیہ دی جائے) نہیں بلکہ "وجہ تشبیہ" کو دیکھنا چاہیے کہ وہ پوری طرح چسپاں ہوتی ہے یا نہیں۔

تمثیل کے اجزائے سہ گانہ

تمثیل کے تین ضروری اجزاء ہوتے ہیں۔ مثال (ممثل) ممثل لہٗ، اور وجہ تمثیل مثلاً "چاند جیسا چہرہ" اس میں "چہرہ" مثال ہے۔ "چاند" ممثل لہٗ اور حسن وجمال وجہ تمثیل۔ مثال میں ایک اور چیز کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خوبی ہو یا زشتی ممثل لہٗ کو مثال سے برتر ہونا چاہیے۔ خوبی کا ذکر ہو تو خوبی میں اور زشتی کی تمثیل ہو تو زشتی میں۔ لیکن اگر ایسا ممثل لہٗ موجود ہی نہ ہو جو وجہ تمثیل میں مثال سے برتر ہو تو مساوی یا کمتر ممثل لہٗ سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں دونوں نظیریں موجود ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمثیلات کے قرآنی مقاصد

ایک اور ضروری چیز بھی اس سلسلے میں ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ قرآن پاک نے امثلہ کے کئی مقاصد بتلائے ہیں مثلاً

۱۔ ایمان کا امتحان جیسا کہ مذکورہ بالا آیت (ان اللہ لا یستحی۔۔ الخ) میں مذکور ہے کہ اہل ایمان سن کر اسے من جانب اللہ حق تسلیم کر لیتے ہیں اور اہل کفر مذاق اڑاتے ہیں۔

۲۔ تذکر جس کے معنی یاد کرنا جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

ولقد ضربنا فی هذا القرآن من كل مثل لعلهم يتذكرون۔

ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ لوگوں کو تذکر ہو۔

ایک بھولی بسری بات دفعتہً یاد آ جائے تو اسے تذکر کہتے ہیں بعض مسائل کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ وہ یوں دوسرے طریقوں سے سمجھ میں نہیں آتے۔ لیکن مثال سے ان کو واضح کر دیا جائے تو اس طرح سمجھ میں آ جاتے ہیں جیسے کوئی بھولی بسری بات یاد آ جائے۔

۳۔ تفکر یعنی غور و فکر۔ قرآن میں ہے۔

وتلك الامثال نضربها للناس لعلهم يتفكرون۔

ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے اس واسطے بیان کرتے ہیں کہ وہ تفکر کریں۔

بسا اوقات ایک اعلیٰ سے اعلیٰ بات پر انسان دھیان نہیں دیتا لیکن اگر اسی کو مثال سے واضح کر دیا جائے تو خواہ وہ اس وقت اسے تسلیم نہ کرے مگر مثال کی بدولت وہ بات اس کے لیے قابل غور و فکر ہو جاتی ہے۔ سب کا خلاصہ یہی ہے کہ تمثیل و تشبیہ سے بات واضح ہو کر دل میں اتر جاتی ہے اور جو چیز دوسرے طریقہ ہائے تفہیم سے دیر میں اور بدقت سمجھ میں آتی ہے وہ تمثیل و تشبیہ سے جلد سمجھ میں آ جاتی ہے۔ اب چند قرآنی تمثیلات پر غور کیجیے۔

چند قرآنی تشبیہات

منافقین کی تمثیل

منافقین کا ذکر کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے:

مثلهم كمثل الذی استوقد ناراً فلما اضاءت ما حوله ذهب الله بنورهم و تركهم فی ظلمت لا يبصرون ۔ صم بكم عمی " فهم لا يرجعون ۔ او كصيب من السماء فيه ظلمت ورعد و برق ط يجعلون اصابعهم فی اذانهم من الصواعق حذر الموت ط والله محيط بالكفرين ۔ يكاد البرق يخطف ابصارهم كلما اضاء لهم مشوا فيه واذا اظلم عليهم قاموا ولو شاء الله

وابصارهم ان الله علىٰ كل شیٍ قدير ۔ (۲:۱۷ تا ۲۰)

ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی ہو پھر جب آگ نے اس کے ارد گرد کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو لے گیا اور انھیں ایسی سخت تاریکی میں چھوڑ دیا کہ انھیں کچھ دکھائی نہیں پڑتا۔ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ لہٰذا رجوع نہیں کرتے یا جیسے آسمان سے زوردار بارش نازل ہو رہی ہو جس میں تاریکیاں گرج اور چمک ہو۔ ہولناک آوازوں سے موت سے ڈر کر اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بجلی کی چمک ان کی بینائیوں کو اچک لیا چاہتی ہے۔ جب روشنی ہوتی ہے تو ذرا چل لیتے ہیں اور جب تاریکی چھا جاتی ہے۔ تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کی سماعت و بصارت کو لے جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

کتنی اعلیٰ نقشہ کشی ہے منکروں منافقوں کی نفسی کیفیت کی۔ ایک انقلابی اور آسمانی تحریک سے ہدایت کا نور پھیلتا ہے اور ماحول اس کی روشنی میں جگمگانے لگتا ہے۔ تو منافقوں کی نفسی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ داعی کو دیکھتے ہیں کہ یہ آدمی تو بہت معقول ہے اور بات بھی معقول کرتا ہے اس سے ان کے دل میں ذرا سی روشنی کی چمک آ جاتی ہے۔ پھر ذرا دیر بعد وہ سوچنے لگتے ہیں کہ یہ انوکھی اور خطرناک باتیں ہیں۔ اب تک کسی اور نے یہ باتیں کیوں نہ کیں؟ یہ پیغام قبول کرنے کے لئے بڑی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا چھوڑو ان باتوں کو اور حسب معمول اپنے کام میں لگ جاؤ گویا وہ پھر روشنی سے تاریکی میں آ جاتے ہیں اور الٹی مایوسی اور خوف شکست کی تاریکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ان کی اندرونی کیفیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ نہ کوئی گفتگو ان کی سمجھ میں آتی ہے نہ وہ خود کوئی ڈھنگ کی بات کرتے ہیں۔ اور نہ انھیں اپنے لیے مفر کا کوئی راستہ سجھائی دیتا ہے۔ گویا بہرے گونگے اور اندھے ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بھی توفیق نہیں ہوتی کہ حق کی طرف رجوع کریں۔

دوسری مثال سے ان کی نفسی کیفیت کو اور بھی واضح کر دیا کہ زوردار گھٹا چھائی ہوئی ہو۔ موسلا دھار مینہ برس رہا ہو۔ خطرات کی بجلی کی گرج اور چمک سے دل دہل رہا ہو۔ ہر لحظہ بجلی کی کڑک سے پردہائے گوش پھٹ جانے کا اندیشہ ہو۔ اور تیز چمک سے آنکھوں کی بینائی خطرے میں پڑی ہوئی ہو۔ ذرا امید کی روشنی دکھائی دی اور دو قدم چل لیے پھر وہی تیرگی چھا گئی اور حیران ہو کر کھڑے ہو گئے نہ آگے چلنے کا راستہ نہ پیچھے جانے کا موقع۔ کیا بے بسی بے کسی اور حیرانی و پریشانی کا عالم ہو گا جب کہ انسان ایسی بھیانک حالت میں گھر جائے۔ پس بالکل یہی حال ان منکرین و منافقین کا ہے جو اسلام کے پھیلنے سے ان کے اندر پیدا ہوتا رہتا ہے۔

اہل کفر کی مثال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کافروں کی نقشہ قرآن پاک یوں کھینچتا ہے۔

ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء ونداء صم بکم عمی فھم الایعقلون۔ (۲:۱۷۰)

کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پکارنے والا اسے پکارے جو بجز پکار اور آواز کے کچھ نہ سنے، یہ لوگ بھی بہرے، گونگے اور اندھے ہیں لہٰذا وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

ہر جانور کو کسی خاص قسم کی آواز سے پکارا جاتا ہے اس سے محبت کی باتیں بھی کی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے لیے محبت یا جھڑکی کے الفاظ کچھ معنی نہیں رکھتے۔ بس وہ صرف آواز سنتا ہے۔ اور معانی سے واقف نہیں۔ ایک بکری سے اگر آپ کہیں کہ فلاں کھیت میں نہ جایا کر۔ یا فلاں جگہ سے گھاس چرا کر۔ تو یہ جملے اس کے لیے بے معنی ہیں۔ اسے اتنی سمجھ ہی نہیں کہ وہ الفاظ کے معنی کو سمجھ سکے۔ کسی جملے کے معانی سمجھنے کے لحاظ سے جانور بھی بہرا گونگا اور اندھا ہی ہوتا ہے۔ بس ہدایت واضح ہونے کے بعد اس سے کفر وانکار کرنے والے بھی جانور سے کچھ مختلف نہیں ہوتے وہ بہرے گونگے اور اندھے ہوتے ہیں۔ جو الفاظ تو جانوروں کی طرح سن لیتے ہیں لیکن ان کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔

ایک دوسری جگہ ان ہی کی نقشہ کشی یوں کی گئی ہے۔

لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغفلون۔ (۷:۱۷۹)

ان کے پاس دل ہیں جس سے وہ سمجھ کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھنے کا مقصد پورا نہیں کرتے۔ کان ہیں مگر ان سے سننے کا کوئی تقاضا پورا نہیں کرتے۔ یہ لوگ چوپائے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ یہی تو ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے دل اس لیے دیا ہے کہ اس سے حق و باطل کا امتیاز کرے آنکھیں اس لیے بخشی ہیں کہ ان سے حق بینی کا کام لے۔ اور کان اس لیے عطا کیے ہیں کہ آواز حق کو سن کر قبول کرے۔ اگر ان نعمتوں کا یہ صحیح مصرف نہ لیا جائے تو جانور اور انسان میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟ مزید برآں اگر انسان انسان ہو کر بھی انسانیت کے تقاضے پورے نہ کرے تو فقط اتنا ہی نہیں ہوتا کہ وہ جانوروں جیسا بن جاتا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جانور سے بدتر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جانور پھر بھی اپنے فطری تقاضوں کو قانون قدرت کے مطابق پورا کر لیتے ہیں۔ اور انسان اتنا بھی نہیں کر پاتا۔ اسی لیے قرآن نے ان کا کتنا صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ یہ صرف جانور ہی نہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر اور ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

ذرا سوچیے کہ اگر انسان بھی صرف کھانے پینے اور نسل کشی کو اپنا مقصود بنا لے اور اعلیٰ

اقدار سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ تو اس میں اور چوپائے میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ یقین کیجیے کہ ضروریات زندگی کی تکمیل ہم سے کہیں بہتر طریقے سے چوپائے کر لیتے ہیں۔ نسل کشی میں بھی وہ انسان سے آگے ہیں۔ پھر اگر انسانی زندگی کا بھی فقط اتنا ہی مقصود ہو تو جانوروں پر اس کا شرف کیوں تسلیم کیا جائے؟ انسان کا شرف تو ہے ہی محض اعلیٰ اقدار کی وجہ سے۔ اگر یہی نہ ہو۔۔۔ (جس کا دوسرا نام کفر ہے) اور صرف جنسی ومعاشی تقاضوں کی تکمیل انسان کا مقصد بن جائے تو وہ یقیناً چوپایوں جیسا ہی نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔ ان کی زندگی کے متعلق قرآن دوسری جگہ یوں ارشاد فرماتا ہے۔

والذین کفروا یتمتعون ویاکلون کما تاکل الانعام والنار مثوی لھم۔ (۴۷:۱۲)

اہل کفر مزے اڑاتے ہیں۔ اور اسی طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۔

گویا جانور محض طبعی تقاضے سے بھوک سے مجبور ہو کر کھاتے ہیں۔ اسی طرح یہ انسان بھی کھاتے ہیں۔ بھوک دور کر کے زندہ رہنے کا کوئی مقصد نہ جانوروں کے سامنے ہوتا ہے۔ نہ ان کے سامنے بلکہ انسان اس ہوس میں اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اکتناز، احتکار، استحصال اور اکل بالباطل بھی کرنے لگتا ہے۔ بخلاف جانوروں کے۔۔۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ آگ ان کا ٹھکانا بن جاتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی تمام کوششیں سوخت ہو جاتی ہیں۔

منفقین کی تشبیہ

راہ خدا میں خرچ کرنے والوں اور ریاکاری کے لئے خرچ کرنے والوں کی مثالیں قرآن یوں دیتا ہے:

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم۔ الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ قول معروف ومغفرة خیر من صدقة یتبعھا اذی واللہ غنی حلیم o یا ایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی o کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یؤمن باللہ والیوم الآخر فمثلہ کمثل صفوان علیہ تراب فاصابہ وابل فترکہ صلدا ۔۔۔ (۔۔۔ تا ۲۶۴)

جو لوگ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال یوں ہے جیسے ایک دانہ جو سات خوشے نکالے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر خوشے میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے مزید اضافہ فرما دیتا ہے وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے نہ دکھ دیتے ہیں۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔ ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو۔ اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اس کی صفت ہے۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ نہ آخرت پر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان جس پر مٹی پڑی ہو پھر اس پر زوردار بارش ہو اور اسے صاف کر کے رکھ دے۔ جو محنت کی تھی اس میں سے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے۔

ایک اور جگہ دنیاداری کے لئے خرچ کرنے والوں کی مثال یوں دی ہے۔

مثل ما ینفقون فی ھذہ الحیوۃ الدنیا کمثل ریح فیھا صر اصابت حرث قوم ظلموا انفسھم فاھلکتہ ...(۳:۱۱۷)

اعلیٰ اقدار کے قیام کے لیے خرچ کرنے والوں اور پست و ادنیٰ مقاصد کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی کیا اس سے بھی بہتر کوئی مثال ہو سکتی ہے؟ کسی عمل کے بارآور ہونے اور رائیگاں جانے کا نقشہ اس سے زیادہ دلکش انداز سے بھی کھینچا جا سکتا ہے؟ خرچ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کیا۔ اور ابوجہل نے بھی کیا۔ خرچ عیش کے لئے بھی کیا جاتا ہے اور خرچ بندگان خدا کی بھلائی کے لئے بھی کیا جاتا ہے۔ خرچ فواحش کی راہ میں بھی ہوتا ہے اور خرچ فواحش سے بچانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ کیا یہ دونوں قسم کے خرچ برابر ہیں۔ اور کیا ان دونوں قسموں کے خرچ کے لیے قرآن کی مذکورہ بالا مثالوں سے بہتر مثال بھی ممکن ہے؟

دنی و مکذب کی مثال

پستی کی طرف جانے والوں۔ اپنی خواہش کی بندگی کرنے والوں اور آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والوں کی مثال یوں دی گئی ہے۔

ولو شئنا لرفعنہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث ذٰلک مثل القوم الذین کذبوا بآیتنا فاقصص القصص لعلھم یتفکرون (۱۷۵/۷۵)

اگر ہم چاہتے تو اپنی دی ہوئی آیات کے ذریعے اسے بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا۔ اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے لگا بس اس کی مثال کتے جیسی ہے کہ اگر اس پر

حملہ کرو جب بھی اپنی زبان نکالے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو جب بھی زبان نکالے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔۔ کتا اگر تھکا ماندہ ہو یا گرمی اور پیاس کا مارا ہو تو زبان لٹکائے رہتا ہے۔ اس کو عربی لھث کہتے ہیں۔ یہ کتے کی ایک فطرت ہوتی ہے اگر اس پر کوئی حملہ کرے تو وہ اپنے بچاؤ کے لیے جو بھاگ دوڑ کرتا ہے اس کے بعد وہ اپنی زبان باہر نکال لیتا ہے مطلب یہ ہے کہ اس پر حملہ کیا جائے یا اسے یونہی چھوڑ دیا جائے وہ زبان تو لٹکائے ہی رہے گا۔ یہ اس کی ایک فطرت ہے یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اپنی خواہش کی بندگی کرنے کی وجہ سے پستی و دناءت کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ ان کی یہی پستیاں ان کو آیات ربانی کی تکذیب پر مجبور کرتی ہیں اور یہ تکذیب ان کی ایسی فطرت بن جاتی ہے کہ آیات ربانی کی زد ان پر پڑے یا نہ پڑے مگر وہ اپنی بدفطرتی کے باعث دونوں حالتوں میں آیات الٰہی کی تکذیب کیے چلے جاتے ہیں۔

مشرکین کی تمثیل

غیر اللہ کو اولیا و مددگار بنانے والوں کی تمثیل میں ارشاد ہے۔

مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون۔ (سورۃ ۲۹:۴۱)

جو لوگ اللہ کے سوا اولیا بناتے ہیں ان کی مثال یوں ہے جیسے مکڑی جس نے ایک گھر بنایا ہو (یعنی جالا تانا ہو) یقیناً کمزور ترین گھر مکڑی ہی کا ہے کاش یہ لوگ سمجھ سے کام لیتے۔

غیر اللہ میں جن ہستیوں کو مددگار و حاجت روا سمجھا جاتا ہے وہ کون کون ہیں؟ خدا تعالیٰ کے نیک بندے جو خود اپنی بھتیری حاجتیں پوری کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور کون؟ اہل اقتدار جو اپنا اقتدار کھو کر اسے واپس نہیں لا سکتے اور کون؟ فرشتے جو اپنی مرضی سے کوئی حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ اور کون؟ اصنام، چوپائے، شمس و قمر، بحر و بر وغیرہ جو انسان کے خدام اور اس کے حیطۂ تسخیر کے قیدی ہیں۔ ان تمام حقیر، فانی اور آفل ہستیوں کو حاجت روا بنانے والے کیا فی الواقع مکڑی کا جالا نہیں بناتے؟ بلاشبہ مکڑی کا جالا ورطۂ حیرت میں ڈالنے والی ایک عجیب صنعت ہے۔ اس کا ہر تار چار چار ایسے تاروں کا مجموعہ ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک تار ایک ہزار تاروں کا مجموعہ ہے۔ کوئی تیز دست آدمی بھی اسے تو ڈھیں سکتی۔ ان تمام محیر العقول صنعتوں اور حکمتوں کے باوجود تنکے کا ایک اشارہ اسے تار تار کر دیتا ہے کیا واقعی اس سے بھی زیادہ کمزور کوئی گھر ہو سکتا ہے۔ اور کیا دنیا کی بڑی سے بڑی ہستی اپنی تمام قدرتوں کے باوجود حقیقی حاجت روا کے سامنے ایسی ہی بے بس نہیں جیسا کہ مکڑی کا جالا ایک انگلی کی حرکت کے سامنے؟ بے بسی اور کمزوری کی کیا اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہتر مثال ممکن ہے؟ اسی کمزوری کو قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے:

ان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ۔

ان سے ایک مکھی کوئی چیز لے لے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔

بے عمل حاملین تورات کی مثال

توریت کی ذمہ داری لے کر اسے نہ نبھانے والوں کے متعلق قرآن یوں تمثیل دیتا ہے۔

مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا بئس مثل القوم الذین کذبو بآیٰت اللہ۔ (۶۲:۵)

جن لوگوں پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا ہے اور اسے انہوں نے نہ اٹھایا ان کی مثال ایسے گدھے جیسی ہے کہ کتابوں کو لادے ہوئے ہو۔ کیا بری مثال ہے ان لوگوں کی جو آیات الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں۔

یہ تمثیل اتنی چسپاں ہے کہ فارسی زبان میں گویا ضرب المثل بن گئی ہے۔ شیخ سعدی نے یہی مضمون یوں ادا کیا ہے:

نہ محقق بود نہ دانش مند　چار پائے برو کتابے چند

خر بیسے اگر بہ مکہ رود　باز آید ہنوز خر باشد

یہاں سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اہل توراۃ ہونے کے دعوے کے ساتھ ساتھ حامل تورات نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اسے خود قرآن نے اسی آیت میں واضح کر دیا ہے کہ وہ آیات الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں۔ بظاہر تو یہ حاملین تورات بھی تورات کو جھوٹا نہیں کہتے۔ پھر تکذیب کا کیا مفہوم ہوا؟ تکذیب کا قرآنی مفہوم یہی ہے کہ زبان سے اقرار ہو اور عمل سے انکار۔ زبانی صدق اور عملی کذب۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ تکذیب صرف عملی تکذیب کو نہیں کہتے۔ لفظی پابندی کے پیچھے پڑ کر حکم کی اصلی روح اور اسپرٹ کو برباد کر دینا بھی ایک قسم کی تکذیب ہی ہے۔ یہودی احبار فقہا کا یہی حال تھا اور مسیحیت اسی ذہن کا رد عمل تھی۔ ایسے فقہا کی ہمارے یہاں بھی کمی نہیں جو فقط "لغت ہائے حجازی کے قارون" ہیں۔ اور لفظی اقرار کے ساتھ تکذیب کے مرتکب۔

نفسی کیفیت کی مثال

یک سُو موحد اور منتشر الخیال شرک کی نفسی کیفیت کو ایک مثال سے اللہ تعالیٰ یوں واضح فرماتا ہے۔

ضرب اللہ مثلا رجلاً فیہ شرکآء متشکسون و رجلا سلما لرجل

ط ھل یستوین مثلا ط۔۔۔ (۲۹:۳۹)

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک آدمی جس کے کئی مالک ایک دوسرے سے جھگڑنے والے شریک ہیں۔ اور ایک آدمی جو پورے طور پر ایک آدمی کا نوکر ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت برابر ہے؟۔

ایک کی رضا کے لئے سب کی رضا کو پس پشت ڈالنے والا بہرحال یکسو رہے گا۔ لیکن جو کئی ایک متضاد رضاؤں کو ایک ساتھ نبھانے کی کوشش کرے گا۔ کبھی ایک سو نہیں ہو سکتا۔ موحد ایک سو اور حنیف ہوتا ہے اور مشرک منتشر الخیال۔ اسی طرح دنیاوی کاروبار میں بھی جو شخص یکسو ہو کر ایک مقصد کے پیچھے لگا رہے وہ حنیف ہوگا اور کامیاب ہوگا۔ لیکن جس نے کئی نصب العین بنا رکھے ہوں وہ اپنی منتشر الخیالی کی وجہ سے کسی ایک میں بھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اس کی بہترین مثال یہی ہو سکتی ہے کہ وہ نوکر جو ایک آقا کا خادم ہو یکسوئی کے ساتھ اپنے تمام کام حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکے گا۔ اور جس کے کئی آقا ہوں۔ اور وہ سب باہم ٹکرانے والی خواہشیں رکھتے ہوں اسے سبھوں کے ساتھ نبھانا مشکل ہوگا۔ بلکہ نا ممکن۔ قرآن نے "عبد" کی مثال دی ہے تاکہ ہر شخص اپنی عبدیت و معبودیت کو ایک طرف لگانے کا فیصلہ کرے اور موحد بن جائے۔ ورنہ شرک کی آلودگی کبھی اسے یکسو نہ ہونے دے گی اور وہ کسی ایک کو بھی راضی نہ کر سکے گا۔

اہل شرک کی تشبیہ

غیر اللہ کو خدائی کے منصب پر بٹھانے والوں کے لیے قرآن ایک مثال یوں بیان فرماتا ہے:

ضرب لکم مثلاً من انفسکم ط ھل لکم من ما ملکت ایمانکم من شرکآء فی ما رزقنکم فانتم فیہ سوآء تخافونھم کخیفتکم انفسکم ط(۲۸:۳۰)

وہ تمہارے لیے تمہاری اپنی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ کیا تمہارے مملوکوں میں سے کوئی تمہارے اس رزق میں جو ہم نے تمہیں دیا ہے تمہارے برابر کا شریک ہے اور تم کو ان کا اس طرح اندیشہ ہے جس طرح اپنا ہوتا ہے؟

آقا اور غلام میں کوئی فرق بجز اس کے نہیں کہ غلام ایک اتفاقی شکست جنگ کے بعد قیدی ہو گیا ہے اور زر فدیہ ادا کرنے تک وہ اپنے آقا کے ہاتھ میں گرو ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ کل وہی آقا غلام اور وہ غلام اس کا مالک بن جائے۔ یا کم از کم خود آزاد ہو جائے جو اسلام کا مقصد ہے۔ اس کے باوجود انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے اس قیدی کو برابر کا درجہ نہیں دیتا۔ اپنی ملکیت میں برابر کا شریک نہیں سمجھتا۔ اور جس طرح قدم قدم پر اپنے نقصان کا اندیشہ لگا رہتا ہے اسی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس زبردست قیدی کے نقصان کی پرواہ نہیں کرتا۔ غرض کسی طرح بھی اپنے برابر نہیں سمجھتا۔ لیکن مخلوقات میں وہ کسی نہ کسی کو اپنا معبود بنا لیتا ہے اور کچھ نہیں سمجھتا کہ ساری کائنات جس حقیقی آقا کی غلام اور عبد ہے کوئی اس کے برابر یا اس کا شریک کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہ مثال دے کر انسانی غیرت پر تازیانہ لگایا ہے کہ جس شرک کو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے اسے اللہ تعالیٰ کے لیے کیونکر روا رکھتے ہو؟ تم اپنے جیسے انسان کو بھی اپنے برابر اپنا شریک بنانا روا نہیں رکھتے لیکن حقیر مخلوقات کو بے تکلف خدا کے پہلو میں بٹھا دیتے ہو۔

نعمائے جنت کی تمثیل

مثل الجنة الّتی وعد المتقون ط فیھآ انھر من ماء غیر اٰسن ج وانھر من لبن لم یتغیر طعمه ج وانھر من خمر لذة للشّربین ہ وانھر من عسل مصفیً ط ولھم فیھا من کل الثمرٰت ومغفرة من ربھم ط (۱۵:۴۷)

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اس کی مثال یوں ہے کہ اس میں بوسیدہ نہ ہونے والے پانی کی نہریں ہیں۔ اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلتا۔ اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کو مزہ دے۔ اور صاف شفاف شہد کی بھی نہریں ہیں۔ اور اس میں ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہیں اور انکے رب کی طرف سے مغفرت۔

یہی مضمون اختصار کے ساتھ دوسری جگہ یوں ہے:

مثل الجنة لتی وعد المتقون ط تجری من تحتھا الانھر اُکلھا دائم "وظلھا... (۳۵:۱۳)

جس بہشت کا وعدہ اہل تقویٰ سے کیا گیا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ اس کے ماکولات اور اس کا سایہ دائمی ہے۔

یہ تمثیل بڑی معنی خیز اور بڑی بنیادی حقیقت کی حامل ہے۔ جنت کا جو مادی نقشہ عام طور پر ذہنوں میں ہوتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو ہمیں اس دنیا میں نظر آتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں بہت صحیح وارد ہوا ہے کہ بہشت کی نعمتیں ایسی ہیں کہ لا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی انسان کے حیطۂ ادراک میں آسکیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہاں کی نعمتوں کی کیفیت اس قیاس سے کہیں بالاتر ہے جو یہاں آنکھوں اور کانوں کی راہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ قرآن نے جنت کی تمام نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ حور و غلمان۔ محلات و قصور، باغ و بہار، رواں انہار، شادابی اشجار، لولو و مرجان، تکیہ و قالین، ساغر و مینا، جام لبریز وغیرہ لیکن ان کے متعلق یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ان کی کیفیت اعلیٰ پیمانے پر

وہی ہوگی جو یہاں کی زندگی میں ہوتی ہے۔ ہم اس کی نوعیت کی تعیین تو نہیں کر سکتے لیکن یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں جہانوں کی کیفیت کی نوعیتیں بالکل جداگانہ ہیں اور نعمائے جنت کا جو کچھ قرآن مجید نے ذکر کیا ہے وہ صرف ایک تمثیل ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن کریم نے یہ کہہ کر واضح کیا ہے کہ مثل الجنته التی وعدالمتقون ..... الخ جس بہشت و باغ کا اہل تقویٰ سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ۔۔۔ الخ مطلب یہ ہے کہ جن نعمائے بہشت کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف ایک تمثیلی کیفیت کا بیان ہے۔ اس کو بالکل ویسا ہی نہ سمجھ لینا جیسا دنیائے دنی کی نعمتوں کو سمجھتے ہو۔ جس طرح رحم کے اندر بچہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اس شکم سے باہر ایک اور لا انتہا وسیع دنیا بھی ہے جس میں شمس و قمر چمک رہے ہیں۔ پرندے چہک رہے ہیں۔ ستارے اور برقی قمقمے جگمگا رہے ہیں۔ طیارے اڑ رہے ہیں، ریڈیو بج رہے ہیں انواع و اقسام کے سامان خورد و نوش موجود ہیں حواس خمسہ کے لیے بیشمار سامان تفریح ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح دنیائے تنگ میں زندگی گذارنے والے اس عالم کی رنگینیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان کا کوئی بہت دھندلا سا تصور آسکتا ہے تو انہیں چیزوں کی تمثیل سے آسکتا ہے جو یہاں اس عالم میں ہمارے حواس کی گرفت میں آتے رہتے ہیں۔

اس عالم میں ہمارا یہ حال ہے کہ یقینی طور پر درک ہونے والے مجردات کا ذکر بھی بغیر محسوسات کی تمثیل کے نہیں کر سکتے۔ ہم کہتے ہیں "اونچے خیالات۔ گہرا غور و فکر، وسیع تصورات" لیکن وہاں نہ کوئی اونچا پہاڑ ہوتا ہے نہ گہرا کنواں اور نہ وسیع میدان۔ ہم بولتے ہیں "افکار کی پرواز" حالانکہ وہاں کوئی پر نہیں ہوتے۔ یہ سب مجردات ہیں۔ لیکن انکے اظہار کے لیے ہم وہی ناقص الفاظ لاتے ہیں جو محسوسات کے لیے ہوتے ہیں۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

(غالبؔ)

مولانا روم نے خود ہی ایک اچھی مثال دی ہے کہ اگر تم ایک بچے کو "لذت جماع" کا مفہوم سمجھانا چاہو تو یہی کہو گے کہ حلوہ یا مٹھائی کھانے میں تمہیں کیسا لطف آتا ہے اس سے بھی کہیں زیادہ مزہ اس میں ہے۔ بچہ پھر بھی حقیقت نہیں سمجھ سکے گا۔ کیونکہ اس کیفیت کی عکاسی کے لیے کوئی لفظ موجود نہیں۔ جب وہ بالغ ہوگا تو کسی لفظ کے بغیر ہی ساری کیفیتوں کو سمجھ لے گا۔ بالکل یہی حال نعمائے جنت کا ہے اسے سمجھانے کے لیے وہی الفاظ لانے پڑیں گے جو روزمرہ کے محسوسات کے لیے لائے جاتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ فی الواقع اس کی کیفیت وہی ہوگی جو یہاں ہوتی ہے۔ اسی تشبیہ کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے قرآن نے اس حقیقت کی پردہ کشائی کی ہے جو نعمائے جنت مذکور ہوئے ہیں وہ ایک تمثیل ہے اس کیفیت کے لیے جس میں مسرت، اطمینان،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امن دوام وغیرہ کی ساری خوبیاں یکجا ہیں۔

نور خداوندی کی مثال

قرآن مجید کی سب سے زیادہ عجیب تمثیل وہ ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کے نور اور اعمال کافرین کے لیے اختیار فرمائی ہے۔ ارشاد ہے۔

اللہ نور السمٰوٰت والارض . مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح " المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانہا کوکب دری " یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیٓء ولو لم تمسسہ نار " نور علیٰ نور یہدی اللہ لنورہ من یشآء ، و یضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شیٓء علیم ○ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والاٰصال ○ رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب و الابصار ہ لیجزیہم اللہ احسن ما عملوا ویزیدہم من فضلہ واللہ یرزق من یشآء بغیر حساب ○ والذین کفروا اعمالہم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماء حتیٰ اذا جاءہ لم یجدہ شیئاً ووجد اللہ عندہ فوفٰہ حسابہ واللہ سریع الحساب . او کظلمٰت فی بحر لجی یغشٰہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمٰت بعضہا فوق بعض اذآ اخرج یدہ لم یکد یرٰہا ط ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور۔ (۳۵:۴۰)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں ایک چراغ ہے۔ چراغ ایک شیشے میں ہے۔ شیشہ گویا ایک چمکتا ہوا تارہ ہے جو ایک بابرکت زیتون کے درخت سے روشن ہو رہا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ تیل خود ایسا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ کے چھوئے بغیر ہی اب روشن ہو چلا اللہ تعالیٰ اپنے نور کی جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو ہر شے کو جاننے والا ہے۔ پھر یہ نور بھی ان گھروں میں ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم واذن دیا ہے کہ وہ بلند کیے جائیں اور ان میں اسی کا ذکر کیا جائے۔ ان میں صبح وشام ایسے لوگ ہیں اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ جن کو ذکر الٰہی سے اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں پلٹ جائیں گی تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کردار کا

بہترین بدلہ دے اور جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے عمل اس چٹیل میدان کے سراب کی طرح ہیں جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا اور اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے تو وہ اسے پورا پورا اس کا حساب چکا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ یا گہرے سمندر میں تاریکیاں جس کے اوپر ایک لہر چڑھی آ رہی ہے اور اس کے اوپر ایک اور لہر ہے۔ اور اس کے اوپر بادل ہیں تاریکیاں ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہیں۔ جب وہ ہاتھ نکالتا ہے تو اسے دیکھ نہیں پاتا اور جسے اللہ تعالیٰ روشنی نہ دے اس کے لیے کہیں کوئی روشنی نہیں۔

ان آیات میں کئی تمثیلات ہیں۔ پہلی مثال اللہ کے نور کی ہے۔ مثال سے پہلے یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے۔ جو چیزیں آپ کو ٹھوس نظر آتی ہیں وہ درحقیقت کچھ بھی نہیں۔ وہ سب مجموعہ ہیں جواہر فردہ کا اور جوہر فرد خود کیا ہے؟ صرف برقی لہریں ہیں۔ محض ایک عمل یا حرکت ہے جسے ارادۂ الٰہی وجود میں لایا ہے۔ روشنی دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ جو آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ اور دوسری وہ جو عقل سے تعلق رکھتی ہے اور دل ودماغ کو روشن کرتی ہے۔ ان دونوں کا مصدر خدا تعالیٰ کا نور ہے۔ نور الٰہی ایک لطیف مجرد شے ہے۔ اس کی تشبیہ بہر حال محسوسات ہی سے دی جا سکتی ہے۔ اس لیے اسے ایک ایسے چراغ سے تشبیہ دی ہے جو طاق میں رکھا ہوا ہو اور ایک صاف شفاف اور ستارے کی طرح چمکتے جگمگاتے شیشے میں ہو۔ اس کا روغن بابرکت درخت سے لیا گیا ہے۔ درخت بھی ایسا جو شرقی ہے نہ غربی۔ روغن خود اتنا شفاف کہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ دکھائے بغیر ہی روشن ہوا چاہتا ہے۔

دیکھیے روشنی کا کیا نقشہ کھینچا ہے۔ تیل روشن۔ شیشہ روشن۔ اور پھر چراغ روشن۔ نور علیٰ نور۔ پھر دیکھیے روشنی کی کوئی جہت۔ کوئی سمت اور کوئی مخصوص رخ نہیں ہوتا۔ وہ ہر طرف یکساں اجالا دیتی ہے لیکن کمال یہ ہے کہ یہ نور ہی عام روشنی کی طرح شش جہت نہیں۔ اس کا تو وہ درخت بھی لاشرق ولا غرب اور بے جہت ہے جس سے یہ روشن۔ روغن نکالا گیا ہے۔ اور جو درخت ایسا ہمہ سو اور بے جہت ہو اس کا تیل پھر تیل سے نکلنے والی روشنی۔ اللہ اللہ اس کی بے جہتی اور ہمہ سوئی کا کیا پوچھنا۔ پھر وہ خدا تعالیٰ جس کی پیدا ہوئی روشنی ہمہ جہت ہے خود کتنا بے جہت ہوگا۔ یقیناً وہ خاص قوم کا خدا نہیں۔ وہ ہمہ جہت اور ساری کائنات کا یکساں خدا ہے۔

ان کے اور کچھ مزید تنزیہات ہیں۔ ان پر بھی غور کیجئے کہ وہ طاق جس میں یہ چراغ ہے جہت ہے ایسے گھر میں ہے ایسی خانۂ خدا میں ہے جس کے بارے میں اس کا حکم ہے کہ اسے ہر قید سے بلند رکھا جائے۔ اور اس میں اسی کا نام بلند ہو۔ پھر مزید تنزیہہ یہ کہ اس میں کچھ مردان خدا اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ تسبیح کے معنی ہیں ۔

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ورنہ ہر چہ گفتہ ایم و شنیدہ ایم و خواندہ ایم

ہر قید سے آزاد، ہر بالا سے بالاتر، ہر پیچ سے اوپر، ہر فہم و عقل سے باہر سب میں موجود ہر ایک سے الگ ساری کائنات کا نور۔ مگر اپنی شخصیت میں جدا، سب پر مہربان، سب کا خدا۔

پھر یہ تنزیہہ و تسبیح کرنے والے لوگ خود ایسے پاکیزہ کہ یاد الٰہی ان کی سب سے قیمتی متاع ان کی محبوب ترین قدر ہے جس سے نہ تجارت انہیں غافل کر سکتی ہے نہ بیع و شرا۔ انہیں صرف اس وقت کا دھڑکا لگا رہتا ہے جب زاویہ قلب و نظر بدل جائے گا اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ انسان کی اصلی متاع یہی ذکر الٰہی ہے۔

اس نور کی داستان کے بعد پھر تاریکی کی تمثیل دی جاتی ہے۔ اور اس تمثیل کے لیے منکرین کے اعمال کو پیش کیا گیا ہے اور اعمال کفار کی بھی دو تشبیہیں دی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ایک میدان میں سراب اس طرح چمک رہی ہو جس طرح پانی کی لہریں چمکتی ہیں۔ پیاسا اسے پانی سمجھ کر لپکتا ہے۔ جب آگے بڑھتا ہے تو اسے وہی سراب ملتی ہے اور پانی کی ایک بوند بھی نہیں ملتی۔ اس وقت وہ موت کو خدا کی شکل میں دیکھ لیتا ہے۔ اور اس کا حساب کتاب چکا دیا جاتا ہے۔

ایک کافر و گمراہ کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟ وہ اپنے کفر میں مگن رہتا ہے اور اس کے مطابق غلط اعمال کیے جاتا ہے اسے بڑی بڑی خوش آئند امیدیں آگے بڑھاتی رہتی ہیں۔ مگر روح تشنہ رہتی ہے۔ ساری عمر ان ہی امیدوں میں ختم ہو جاتی ہے اور نتیجہ وہی تشنگی۔

اعمال کفر ہمہ تن تاریکی و تیرگی ہوتے ہیں۔ اس لیے دوسری مثال اس قسم کی دی گئی ہے کہ اوپر بادل گھرا ہے نیچے سمندر ہی نہیں بلکہ سمندر کی آخری تہ جہاں موجیں ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہیں، اوپر ابر سیاہ۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔

اوپر ابتدائی آیت میں نور کی لطافت کو درجہ بدرجہ بلند کر کے پیش کیا گیا ہے اور یہاں تاریکی در تاریکی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ وہاں تیل روشن۔ شیشہ جگمگاتا ہوا اور چراغ ضوفشاں ہے۔ یہاں سمندر کی گہرائی اس پر موج بر موج اور اس پر گھنگھور گھٹا۔ وہاں نور علیٰ نور۔ یہاں ظلمتوں پر ظلمتیں۔ کیا نور اور ظلمت کی اس سے بہتر کوئی اور نقشہ کشی بھی ممکن ہے؟

حق و باطل کی مثال

حق اور باطل کی مثال دیتے ہوئے بقائے انفع یا بقائے اصلح کے قانون کے متعلق قرآن فرماتا ہے:

انزل من السماء ماءً فسالت اودية " بقدرها فاحتمل السيل زبداً رابياً ومما يوقدون عليه في النار ابتغاء حلية او متاع زبد " مثله كذلك يضرب الله الحق والباطل فاما الزبد فيذهب جفاءً واما ما

ينفع الناس فيمكث في الارض كذلك يضرب الله الامثال...
(۱۷:۱۳)

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہنے لگے اور سیلاب جھاگ کو جو اوپر رہتا ہے بہا لے گیا اور اسی طرح جھاگ اس چیز میں بھی ہوتا ہے جسے لوگ زیور اور سامان بنانے کی غرض سے تپاتے ہیں۔ حق اور باطل کی مثال اللہ تعالیٰ اسی طرح بیان فرماتا ہے۔ میل کچیل تو بے مصرف ہو جاتا ہے۔ اور جو چیز نفع بخش ہوتی ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے اور اللہ اسی طرح کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔

"بقائے اصلح کا فطری قانون یہ ہے کہ نوع کے افراد اپنی بقا کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور تنازع للبقاء میں صلاحیت کی بدولت تو افق پیدا کر لیتے۔ وہ نوع باقی رہتی ہے اور غیر صالح انواع مٹ جاتی ہیں۔ قرآن پاک نے بقائے انفع کا قانون بتایا ہے جو بقائے اصلح سے بلیغ تر ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ بے مصرف اور بے نفع ہونے کے لیے اصلح ہونا بھی ضروری ہے ورنہ جو اس کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہو کہ اپنے آپ کو بچا سکے وہ دوسروں کے لیے کیا نفع بخش ہوگا۔ انفع و اصلح میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ انفع دوسروں کی بقا کے لیے ہوتا ہے اور اصلح صرف اپنا ہی بچاؤ کرتا ہے۔ بہر کیف قرآن پاک نے اس قانون فطرت کو سمجھانے کے لیے نہایت اعلیٰ مثال دی ہے کہ دیکھو سیلاب کی سطح پر بھی خس و خاشاک ہوتے ہیں اور گلائی ہوئی دھات کی سطح پر بھی جھاگ آ جاتا ہے مگر دونوں ضائع ہو جاتے ہیں۔ پھینک دیئے جاتے ہیں جس طرح خالص و مفید پانی جھاگ کے نیچے ہوتا ہے اسی طرح پگھلے ہوئے سونے چاندی کا خلاصہ بھی جھاگ کے نیچے تہ نشین ہوتا ہے۔ قرآن نے حق اور باطل کی یہ مثال اس لیے دی ہے کہ بسا اوقات باطل بڑے طوفانی انداز سے اوپر مسلط ہو جاتا ہے اور حق بظاہر اس کے نیچے دب جاتا ہے۔ لیکن باطل اوپر ہونے کے باوجود جھاگ اور خس و خاشاک کی طرح بہہ کر رائیگاں جاتا ہے اور حق زمین پر اس لیے باقی رہ جاتا ہے کہ اس میں نفع بخش ہونے کی صلاحیت ہے۔ وہ اصلح بھی ہے اور انفع بھی۔ انسان بے کار چیزوں کو پھینک دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بے مصرف اور بے نفع انسانوں اور قوموں کو کیوں باقی رہنے دے گا۔ اعمال میں بھی یہی قانون چلتا ہے کہ بے نفع کام ضائع ہو جاتے ہیں اور بے نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور وہی کام بقا حاصل کرتے ہیں جو نفع بخش ہوں۔

☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبی ﷺ پر جادو کیے جانے کی حقیقت

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ
سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل، حکومتِ پاکستان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نحن اعلم بما يستمعون به اذ يستمعون اليك واذ هم نجوى اذ يقول الظلمون ان تتبعون الا رجلا مسحوراً O انظر كيف ضربوا لك الامثال فضلوا فلا يستطيعون سبيلا O

ترجمہ: ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کس غرض سے قرآن کو سنتے ہیں، جب وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں اور جب وہ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں جب ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم صرف ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے۔ دیکھیے یہ آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کر رہے ہیں، پس وہ ایسے گمراہ ہو گئے کہ اب (صحیح) رستہ پر نہیں آسکتے۔ (بنی اسرائیل: 48-47)

نبی ﷺ پر جادو کیے جانے کی تحقیق:

اس آیت میں یہ فرمایا کہ کفار یہ کہتے تھے کہ آپ پر جادو کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو گمراہی فرمایا ہے جب کہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ آپ پر جادو کیا گیا تھا اور آپ پر کئی دن اس کا اثر رہا اور بظاہر یہ احادیث قرآن مجید کی اس آیت کے معارض اور مخالف ہیں، اس وجہ سے متقدمین اور متاخرین علماء میں یہ اختلاف رہا ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہونا صحیح اور برحق ہے یا غلط اور باطل ہے، ہم پہلے اس حدیث کا ذکر کریں گے اور پھر آپ پر جادو کیے جانے کے متعلق فریقین کے دلائل کا ذکر کریں گے۔

نبی ﷺ پر جادو کیے جانے کی احادیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کا خیال یہ ہوتا کہ آپ اپنی ازواج کے پاس (ازدواجی عمل کے لیے) گئے ہیں، حالانکہ آپ نہیں گئے تھے، سفیان نے کہا اگر یہ ایسا ہو تو یہ جادو کی زبردست قسم ہے، پس آپ نے فرمایا: اے عائشہ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے کچھ سوالات کیے تھے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے جوابات دیئے، میرے پاس دو آدمی آئے، ایک میرے سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پیروں کی جانب، جو آدمی میرے سر کی جانب بیٹھا تھا اس نے دوسرے سے کہا اس شخص کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا اس پر جادو کیا گیا ہے، اس نے پوچھا اس پر کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے کہا لبید بن اعصم نے جو بنو زریق کے قبیلہ سے ہے اور یہود کا حلیف ہے، یہ شخص منافق تھا، اس نے پوچھا کس چیز پر جادو کیا ہے؟ اس نے کہا کنگھی میں اور ان بالوں میں جو کنگھی میں جھڑ جاتے ہیں آپ نے پوچھا وہ کس جگہ ہیں؟ اس نے کہا نر کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں لپیٹ کر ذروان کے کنویں میں ایک پتھر کے نیچے، پھر نبی ﷺ اس کنویں پر گئے حتیٰ کہ آپ نے اس کو نکال لیا، آپ نے فرمایا یہی وہ کنواں ہے جو مجھے (خواب میں) دکھایا گیا تھا اور اس کنویں کا پانی مہندی کے تلچھٹ کی طرح تھا اور اس کے کھجور کے درخت شیطانوں کے سروں کی طرح تھے، پھر جس پر جادو کیا گیا تھا اس کو کنویں سے نکال لیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ نے (جادو کا توڑ کرنے کے لیے) کوئی نشرہ (کسی قسم کا منتر) کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء دے دی اور میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میں کسی شخص کو برائی کی ترغیب دوں (جس سے جادو کے توڑ کے لیے منتر کی ترویج ہو)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٢٦٨، ٥٧٦٣، ٥٧٦٥، ٥٧٦٦، ٦٠٦٣، ٦٣٩١، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢١٨٩، مسند احمد رقم الحدیث: ٢٤٨٠٣، مسند حمیدی رقم الحدیث: ٢٥٩، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٥٤٥، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٥٨٣)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ نے کوئی کام کر لیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا، حتیٰ کہ ایک دن جب آپ میرے پاس تھے آپ نے بار بار دعا کی، پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہیں معلوم ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے جو سوال کیے تھے، اللہ نے مجھے ان کے جواب دے دیے ہیں، میں نے پوچھا وہ کیا جواب ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے پاس دو آدمی آئے ایک میرے سر کی جانب اور دوسرا میرے پیروں کی جانب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹھ گیا، پھر ان میں سے ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا اس شخص کو کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے، اس نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے کہا لبید بن اعصم یہودی نے جو بنو زریق سے ہے، اس نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اس نے کہا ایک کنگھی اور اس میں لگے ہوئے بالوں میں نر کھجور کے کھوکھے شگوفے میں، اس نے کہا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ ذی اروان کی کنویں میں ہے۔ پھر نبی ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ اس کنویں کی طرف گئے، آپ نے اس کو دیکھا اس کے پاس کھجور کے درخت تھے، پھر آپ حضرت عائشہ کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ کی قسم اس کا پانی مہندی کی تلچھٹ کی طرح ہے، اور گویا کہ اسکے درخت شیطانوں کے سر ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے اس کو نکال لیا؟ آپ نے فرمایا نہیں مجھے اللہ نے اس سے عافیت میں رکھا اور شفا دے دی اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اس فعل سے لوگوں میں شر پھیلے گا اور میں نے اس کنگھی کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ اول الذکر حدیث میں کھجور کے کھوکھے شگوفے کو کنویں سے نکالنے کا ذکر ہے اور ثانی الذکر حدیث میں اس کو کنویں سے نکالنے کا ذکر نہیں ہے

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۶۶) یہ حدیث چھ جگہ مذکور ہے۔

نبی ﷺ پر جادو کیے جانے کے متعلق علماء متقدمین کا نظریہ:

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

امام مازری نے کہا ہے بعض مبتدعین نے اس حدیث کا انکار کیا ہے، اور یہ زعم کیا ہے کہ یہ ماننے سے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا آپ کے منصب نبوت میں کمی ہوتی ہے اور آپ کی نبوت میں شک پیدا ہوتا ہے اور احکام شرعیہ پر اعتماد نہیں رہتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ خیال ڈالا جائے کہ آنے والا جبرائیل ہے اور وہ حقیقت میں جبرائیل نہ ہو یا آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جائے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور واقع میں آپ کی طرف وحی نہ کی گئی ہو۔ اور یہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے باطل ہے کیونکہ نبی ﷺ اللہ کی طرف سے جو چیز پہنچاتے ہیں اس کے صدق پر معجزہ کی دلالت ہے اور اس میں آپ کا معصوم ہونا دلائل سے ثابت ہے اور ان دلائل کے خلاف کسی چیز کو جائز قرار دینا باطل ہے۔ اور جن کاموں کا تعلق امور دنیا سے ہے، ان کاموں کی وجہ سے آپ کو مبعوث نہیں کیا گیا اور نہ ان کاموں کی وجہ سے آپ کی رسالت کی فضیلت ہے اور وہ ایسے امور ہیں جو اکثر انسانوں کو عارض ہوتے رہتے ہیں تو یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ کی طرف بعض ایسی چیزوں کا خیال ڈالا جائے جن کی واقع میں کوئی حقیقت نہ ہو۔

بعض لوگوں نے کہا اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی ازواج سے عمل ازدواج

کیا ہے، حالانکہ آپ نے یہ عمل نہیں کیا ہوتا تھا، اور کبھی عام لوگوں کی طرف بھی نیند میں اس قسم کا خیال آجاتا ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی تو ہو سکتا ہے کہ بیداری میں نبی ﷺ کے دل میں اس طرح کا کوئی خیال آجاتا ہو اور اس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہو سکتا ہے آپ کو یہ خیال آیا ہو کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے اور آپ نے وہ کام نہ کیا ہو لیکن آپ نے یہ اعتقاد نہ کیا ہو کہ آپ کا تخیل صحیح ہے، آپ کا اعتقاد اور یقین ہمیشہ درست رہتا ہے لہٰذا ملحدین کے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے (یہاں تک امام مازری کی عبارت ہے)۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں اس حدیث کی جو تاویل مجھ پر منکشف ہوئی وہ زیادہ ظاہر اور جلی ہے اور ملحدین کے اعتراض سے بہت دور ہے، اور وہ تاویل اسی حدیث سے مستفاد ہے اور یہ ہے کہ یہ حدیث عروہ اور مسیب سے بھی مروی ہے اور اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر بنو زریق کے یہودیوں نے جادو کیا اور اس کو ایک کنویں میں ڈال دیا حتیٰ کہ (اس کے اثر سے) رسول اللہ ﷺ کی بینائی کمزور ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی اور آپ نے اس کو کنویں سے نکال لیا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱۴ رقم الحدیث: ۱۹۷۶۳، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲ مطبوعہ ۱۳۱۸ھ)

ایک اور حدیث میں ہے:

عطا خراسانی یحییٰ بن یعمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک سال تک ان کے پاس نہیں جا سکے، پھر جس وقت آپ سوئے ہوئے تھے آپ کے پاس دو فرشتے آئے، ایک آپ کے سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا پیروں کی جانب، پھر ایک نے دوسرے سے کہا (سیدنا) محمد ﷺ پر جادو کیا گیا ہے دوسرے نے کہا ہاں ان پر ابو فلاں نے کنویں میں جادو کیا ہے پھر جب صبح کو نبی ﷺ اٹھے تو آپ نے اس کو نکالنے کا حکم دیا سو اس کو کنویں سے نکال لیا گیا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱۴ رقم الحدیث ۱۹۷۶۵، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲)

محمد بن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور ازواج کے پاس جانے اور کھانے پینے پر قادر نہ ہوئے پھر آپ کے پاس دو فرشتے آئے اور اسی طرح مکالمہ کیا جس طرح صحیح بخاری میں ہے اور اس کے آخر میں ہے:

پھر جب دو فرشتے چلے گئے تو نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا تم اس کنویں پر جاؤ اس کا پانی مہندی کے رنگ کا ہوگا تم اس میں سے پتھر کے نیچے سے شگوفہ نکالنا انہوں نے اس میں سے وہ شگوفہ نکالا اس میں گیارہ گرہیں تھیں، اور اس وقت یہ دو سورتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نازل ہوئیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس رسول اللہ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور ایک ایک گرہ کھلتی گئی حتی کہ ساری گرہیں کھل گئیں اور نبی ﷺ صحت مند ہو گئے اور اپنی ازواج اور کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۹، ۱۹۸، مطبوعہ دار صادر، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۳-۱۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

پس ان روایات سے ظاہر ہو گیا کہ جادو کا اثر آپ کے جسم اور آپ کے ظاہری اعضاء پر ہوا تھا آپ کی عقل سلیم، آپ کے قلب اور آپ کے اعتقاد پر نہیں ہوا تھا اور حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ حتی کہ آپ یہ گمان کرتے تھے کہ آپ اپنی اہلیہ کے پاس جائیں گے اور آپ ان کے پاس نہیں جاتے تھے اور یہ بھی ہے کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا تھا ان کا معنی یہ ہے کہ پہلے جو آپ کو ان پر قدرت تھی آپ اسی پر خوش تھے، اور جب آپ ان کے قریب جاتے تو جادو کے اثر سے آپ ان پر قادر نہ ہوتے، اور حضرت عائشہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ نے ایک کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جادو کے اثر سے آپ کی نظر میں فرق پڑ گیا تھا، آپ یہ گمان فرماتے کہ آپ نے اپنی ازواج میں سے کسی کو کہیں دیکھا ہے یا کسی اور کو دیکھا ہے یا کسی اور کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ایسا نہیں ہوتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جادو سے آپ کی بصارت متاثر ہو گئی تھی، اس سے ظاہر ہوا کہ آپ پر جادو کا کوئی ایسا اثر نہیں ہوا تھا جس سے آپ پر اپنی رسالت میں کوئی اشتباہ یا التباس ہو گیا ہو اور نہ ایسی کوئی بات ہوئی تھی جس کی وجہ سے گمراہوں کے لیے آپ کی رسالت میں کسی اعتراض یا طعن کی گنجائش ہو۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۸۸-۸۶، مطبوعہ دار الوفاء، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر مالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض کج رووں نے اس حدیث کو نبوت میں طعن کا ذریعہ بنا لیا ہے، انہوں نے کہا جس شخص کا یہ حال ہو کہ اس نے ایک کام نہ کیا ہو اور اسکا گمان یہ ہو کہ اس نے وہ کام کر لیا ہے اس کے دعویٰ نبوت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض ان کی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے صادر ہوا ہے، کم فہمی یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ جماع کرنے سے پہلے آپ کا خیال یہ ہوتا تھا کہ آپ یہ کام کر لیں گے لیکن جادو کے اثر سے آپ اس عمل پر قادر نہ ہوتے تھے اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں (مثلاً مصنف عبد الرزاق، طبقات ابن سعد) اسکی تصریح ہے۔ اسی طرح آپکا خیال ہوتا تھا کہ آپ

کھا پی سکیں گے لیکن جادو کی وجہ سے جو مرض عارض ہوا تھا اس کی وجہ سے آپ کھانے پینے پر قادر نہیں ہوتے تھے، اور ان احادیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جادو کی وجہ سے آپ کی عقل میں کوئی خلل ہو گیا تھا یا آپ کا کلام خلط ملط ہو گیا تھا، کیونکہ آپ کا صدق معجزہ سے ثابت ہے اور امور تبلیغیہ میں غلطی واقع ہونے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم رکھا ہے، اور معترض کی کم عقلی یہ ہے کہ اس کو نبوت کے احکام اور معجزہ کی دلالت کا علم نہیں ہے، گویا کہ وہ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم السلام بھی بشر ہیں اور ان پر بیماری اور درد، غضب، رنج اور غم، عجز، نظر لگنا، جادو کیا جانا، اور دیگر تمام عوارض بشریہ کا اسی طرح طاری ہونا ممکن ہے جس طرح یہ عوارض دوسرے لوگوں پر طاری ہوتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام اس چیز سے معصوم ہیں کہ ان پر کوئی ایسی چیز طاری ہو جو معجزہ کی دلالت کے متناقض اور منافی ہو، اللہ تعالیٰ کی معرفت، ان کا صادق ہونا اور امور تبلیغیہ میں کسی غلطی کا واقع نہ ہونا اور اسی معنی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی

آپ کہیے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ (الکھف: ۱۱۰)

بشری حیثیت سے آپ پر وہ تمام امور جائز ہیں جو دیگر انسانوں پر جائز ہیں اور نبوت کے خواص کی حیثیت سے آپ عام انسانوں سے ان تمام چیزوں میں ممتاز ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ آپ کی بصر نے کجی کی اور نہ حد سے بڑھی، اور آپ نے جو مشاہدہ کیا اس میں جھوٹ نہیں کہا اور آپ کا قول اللہ کی وحی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے اور آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔

(المفہم ج ۵ ص ۵۷۱، ۵۷۰، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ امام مازری کی وہ عبارات نقل کر دی ہیں جو قاضی عیاض نے نقل کی ہیں اور اسکے بعد قاضی عیاض نے اس حدیث کی جو تاویل کی ہے اسکا بھی ذکر کر دیا ہے۔

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ ازواج کے پاس جائیں گے لیکن آپ اس پر قادر نہ ہوتے اور ایک اور روایت میں فرمایا آپ کا خیال ہوتا کہ آپ نے ایک کام کیا ہے آپ نے وہ کام نہ کیا ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی بینائی میں خلل ہو گیا تھا اور آپ کو یہ گمان ہوتا کہ آپ نے اپنی ازواج میں سے کسی کو یا کسی اور شخص کو دیکھا ہے اور واقع میں ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ کی بصر میں کچھ قصور ہو گیا تھا، یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ کی بصر کے علاوہ کسی اور عضو میں کچھ کمی ہو گئی تھی کیونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جادو کے اثر سے آپ کی رسالت میں کوئی خلل نہیں ہو سکتا تھا اور اس میں گمراہوں کے لیے نبوت میں طعن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۳۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ان تمام توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا جیسا کہ دوسرے انسانوں پر ہوتا ہے اور جادو کی تاثیر سے آپ کی مردی قوت جاتی رہی تھی یا آپ کی نظر میں فتور ہو گیا تھا (العیاذ باللہ) غرض جادو کی تاثیر سے آپ کے ظاہری اعضاء کی کارکردگی میں فرق آ گیا تھا لیکن آپ کی عقل میں اور آپ کے کلام کے صدق میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا اور معجزہ کی دلالت اور نبوت اور رسالت کا تعلق آپ کی عقل اور آپ کے کلام کے صدق سے ہے لہذا ان احادیث سے آپ کی وحی اور رسالت پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

نبی ﷺ پر جادو کیے جانے کے متعلق متاخرین کا نظریہ:

متاخرین میں سے علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی امام مازری کی تاویل اور توجیہ کو اختیار کیا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کی تائید اور توثیق کی ہے۔

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۵۰۶-۵۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

مفتی احمد یار خان متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد رؤسا یہود نے لبید بن اعصم یہودی سے کہا تو اور تیری لڑکیاں جادو گری میں یکتا ہیں حضور پر جادو کر، لبید نے حضور کے ایک یہودی غلام سے حضور کی شکستہ کنگھی کے دندانے اور کچھ بال شریف حاصل کر لیے اور موم کا ایک پتلا بنایا اس میں گیارہ سوئیاں چبھوئیں، ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگائیں، یہ سب کچھ اس پتلے میں رکھ کر، بیر اوان میں پانی کے نیچے ایک پتھر کے نیچے دبا دیا، اس کا حضور کے خیال شریف میں یہ اثر ہوا کہ دنیاوی کاموں میں بھول ہو گئی، چھ ماہ تک اثر رہا، پھر جبرائیل امین یہ دونوں سورتیں، سورۃ فلق و ناس لائے، جن میں گیارہ آیتیں ہیں اور حضور کو اس جادو کی خبر دی، حضرت علی مرتضیٰ کو اس کنویں پر بھیجا گیا آپ نے جادو کا یہ سامان پانی کی تہہ سے نکالا، حضور نے یہ سورتیں پڑھیں، ہر آیت پر ایک گرہ کھلتی تھی، تمام گرہیں کھل گئیں اور حضور کو شفا ہو گئی، اس سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ جادو اور اس کی تاثیر حق ہے، دوسرے یہ کہ نبی کے جسم پر جادو کا اثر ہوتا ہے، جیسے تلوار، تیر اور نیزے کا، یہ اثر خلاف نبوت نہیں، موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادو گر فیل ہوئے کیونکہ وہاں جادو سے معجزہ کا مقابلہ تھا، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے خیال پر بھی اس جادو نے اثر کیا۔

(نور العرفان حاشیہ قرآن ص ۹۶۱ مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات، تفسیر سورۂ فلق)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

کسی نبی اور پیغمبر پر جادو کا اثر ہو جانا ایسا ہی ممکن ہے جیسا بیماری کا اثر ہو جانا اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام بشری خواص سے الگ نہیں ہوتے۔ جیسے ان کو زخم لگ سکتا ہے، بخار اور درد ہو سکتا ہے ایسے ہی جادو کا اثر بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ بھی خاص اسباب طبعیہ جنات وغیرہ کے اثر سے ہوتا ہے اور حدیث میں ثابت بھی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر سحر کا اثر ہو گیا تھا، آخری آیت میں کفار نے جو آپ کو مسحور کہا اور قرآن نے اس تردید کی اس کا حاصل وہ ہے جس کی طرف خلاصہ تفسیر میں اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ان کی مراد در حقیقت مسحور کہنے سے مجنون کہنا تھا اس کی تردید قرآن نے فرمائی ہے اس لیے حدیث سحر اس کے خلاف اور متعارض نہیں ہے۔

(معارف القرآن ج ۵ ص ۴۹۱-۴۹۰ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، اکتوبر ۱۹۹۱ء)

بعض حنفیوں اور متاخرین علماء نے ان روایات کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ نبی پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا۔

نبی ﷺ پر جادو کے اثر کا انکار کرنے والے علماء:

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہ زعم کیا ہے کہ نبی ﷺ پر بھی جادو کا عمل کیا گیا اور آپ پر جادو ہوا حتیٰ کہ آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا، اور ایک یہودی عورت نے کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں اور کنگھی کے دندانوں میں اور کنگھی میں لگے ہوئے بالوں میں عمل کیا تھا حتیٰ کہ آپ کے پاس جبرائیل آئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ پر ایک عورت نے کنگھی میں جادو کیا ہے جو راعوفہ کنویں کے نیچے ہے، اس کنگھی کو نکال لیا گیا اور آپ سے جادو کا اثر جاتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اذیقول الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا (بنی اسرائیل: ۴۷)

ترجمہ: ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم صرف ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے۔

اور اس قسم کی احادیث ملحدین کی گھڑی ہوئی ہیں، جنہوں نے دین کو کھیل بنا لیا ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو باطل کرنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اور جادو گروں کے افعال میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ ایک ہی قسم میں سے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا یفلح الساحر حیث اتی۔ (طٰہٰ: ۶۹) اور جادوگر جہاں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ جادوگروں کی تکذیب کرتا ہے اور یہ لوگ جادوگروں کی تصدیق کرتے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ ایک یہودی عورت نے اپنی جہالت سے یہ کام کیا ہو اور یہ گمان کیا ہو اور اس سے نبی ﷺ کا قصد کیا ہو اور یہ گمان کیا ہو کہ جادو کا اجسام میں اثر ہوتا ہے تو نبی ﷺ پر بھی اثر ہوگا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جادو کی جگہ پر مطلع فرما دیا اور اس عورت کی جہالت اور اس کے کرتوتوں کو اور اس کی توقعات کو ظاہر فرما دیا تاکہ یہ واقعہ آپ کی نبوت کے دلائل سے ہو جائے اور ایسا نہیں ہوا کہ اس جادو کا آپ پر اثر ہوا ہو، اور اس سے آپ کو ضرر پہنچا ہو، اور کسی راوی نے یہ نہیں کہا کہ آپ پر معاملات مشتبہ ہو جاتے تھے ان الفاظ کا حدیث میں اضافہ کیا گیا ہے اور ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور معجزات اور جادو میں فرق ہوتا ہے کہ معجزات حقائق پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کا باطن بھی ان کے ظاہر کی طرح ہوتا ہے، اور جادو میں باطن ظاہر کی طرح نہیں ہوتا بلکہ وہ باطن میں کسی چالاکی اور شعبدہ بازی پر مبنی ہوتا ہے، اور جادوگر اپنی قوت تخیلہ سے کام لیتا ہے اور انسان کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت نہیں ہوتی بلکہ جادوگر کی قوت تخیلہ کی کارستانی ہوتی ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

متاخرین سے سید محمد قطب شہید متوفی ۱۳۸۵ھ لکھتے ہیں:

یہ روایات فعل اور قول میں عصمت نبویہ کی اصل کے مخالف ہیں اور جب کہ اعتقاد یہ ہے کہ نبی ﷺ کے افعال میں سے ہر فعل اور آپ کے اقوال میں سے ہر قول سنت اور شریعت ہے اور یہ روایات اس اعتقاد کے مخالف ہیں اسی طرح یہ روایات قرآن مجید کی نفی اور تکذیب کرتی ہیں کیونکہ قرآن مجید نے کفار کے اس قول کو باطل قرار دیا ہے کہ نبی ﷺ پر جادو کیا گیا ہے اور اس کو ظلم اور گمراہی فرمایا ہے اور ان روایات میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے اس وجہ سے ہم ان روایات کو مستبعد سمجھتے ہیں اور اخبار احاد کا عقائد میں اعتبار نہیں کیا جاتا، عقائد میں صرف قرآن عظیم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور احادیث متواترہ کی طرف، اور عقائد اور اصول میں احادیث کی قبول کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ متواترہ ہوں اور یہ روایات متواتر نہیں ہیں، نیز ان روایات کے مطابق یہ واقعہ مدینہ منورہ میں ہوا ہے اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور یہ ایک اور وجہ ہے جو ان روایات کی بنیاد کو کمزور کرتی ہے۔

(فی ظلال القرآن ج ۳۰ ص ۲۹۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۶ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ ان روایات کے متعلق لکھتے ہیں:

معتزلہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کا کئی وجوہ سے انکار کیا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتٰى ۔ (طٰہٰ: ۶۹)

جادوگر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں یہ فرماتا ہے:

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۔ (الفرقان: ۸)

اور ظالموں نے کہا تم لوگ تو صرف جادو کئے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو۔

اور اگر نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہو جاتا تو کفار کے اس قول کی مذمت نہ کی جاتی کہ آپ پر جادو کیا ہوا ہے۔

(۳) اگر جادو سے یہ کام ممکن ہوتا تو پھر معجزہ جادو سے ممتاز نہ ہوتا، پھر انہوں نے کہا یہ دلائل قطعیہ ہیں اور جن روایات کا تم نے ذکر کیا ہے وہ سب اخبار احاد ہیں جو ان دلائل قطعیہ سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

تفسیر کبیر میں امام رازی کا طریقہ ہے کہ جہاں ان کو معتزلہ کے دلائل سے اختلاف ہوتا ہے وہاں ان کے دلائل کا جواب دیتے ہیں لیکن یہاں انہوں نے ان کے دلائل کا جواب ذکر نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ امام رازی ان دلائل سے متفق ہیں اور ان کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آپ پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم ﷺ پر جادو کئے جانے کے متعلق راقم کا نظریہ:

ہمارے نزدیک حسب ذیل وجوہ سے نبی کریم ﷺ پر جادو کئے جانے کی روایات صحیح نہیں ہیں:

(۱) بعض روایات میں ہے کہ جس کنگھی اور جن بالوں پر جادو کیا تھا ان کو کنویں سے نکال لیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۶۵)

(۲) اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اس کو کنویں سے نہیں نکالا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۶۶)

(۳) بعض روایات میں ہے کہ جادو کے اثر سے آپ کو یہ خیال ہوتا کہ آپ نے کوئی کام کر لیا ہے، حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۶۵)

(۴) بعض احادیث میں ہے کہ جادو کے اثر سے آپ کی نظر متاثر ہو گئی تھی اور آپ دیکھتے کچھ تھے اور آپ کو نظر کچھ آتا تھا۔ (طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲)

(۵) بعض احادیث میں ہے کہ جادو کے اثر سے آپ کی مردانہ قوت متاثر ہو گئی، یحییٰ بن یعمر کی روایت میں ہے آپ ایک سال تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رکے رہے حتیٰ مقاربت نہیں کر سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(العیاذ باللہ)(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۹۷۶۵)

(۶) بعض احادیث میں ہے کہ کنویں سے جب شگوفہ نکالا گیا تو اس میں گیارہ گرہیں تھیں اس وقت آپ پر سورۃ الفلق اور سورۃ الناس نازل ہوئیں، آپ ان میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تھے اور گرہیں کھلتی جاتی تھیں۔ (طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

ایک تعارض تو یہ ہے کہ اور کسی روایت میں ان آیتوں سے گرہیں کھلنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور دوسرا قوی اعتراض یہ ہے کہ ان کذابین کو یہ خیال نہیں رہا کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے اور ان سورتوں کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا تھا۔

جس حدیث کا متن اتنی وجوہ سے مضطرب ہو اس سے احکام میں بھی استدلال کرنا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے عقائد میں استدلال کیا جائے۔

جو خبر واحد صحیح ہو وہ بھی قرآن مجید کے مزاحم نہیں ہو سکتی، جب کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے حدیث صحیح وہ ہوتی ہے جو غیر معلل ہو اور یہ حدیث معلل ہے نیز یہ حدیث منصب نبوت کے منافی ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ جادو کے اثر سے جماع پر قادر نہ ہوئے اور ایک سال تک حضرت عائشہ سے رکے رہے اور نامرد ہونا ایسی بیماری ہے جو لوگوں میں معیوب گنی جاتی ہے، نیز اس میں مذکور ہے کہ آپ کی نظر میں فرق آ گیا تھا اور بھینگا ہونا لوگوں میں معیوب سمجھا جاتا ہے اور نامردی اور بھینگے پن سے لوگ عار محسوس کرتے ہیں اور نبی کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اس کو کوئی ایسی بیماری نہ ہو جو لوگوں میں معیوب اور باعث عار گنی جاتی ہو اور لوگوں کو اس بیماری سے گھن آتی ہو۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

نبوت کی شرائط یہ ہیں: اس کی عقل کامل ہو، اس کی رائے قوی ہو وہ ان چیزوں سے سلامت ہو جن کو لوگ برا جانتے ہیں مثلاً اس کے آباء و اجداد و زنا کرتے ہیں اور ان کے سلسلہ نسب میں مائیں بدکار نہ ہوں اور وہ ایسی بیماریوں سے محفوظ ہو جن کو لوگ برا جانتے ہیں مثلاً برص اور جذام وغیرہ اور کم ترپیشوں سے اور ہر اس چیز سے جو مروت اور حکمت بعثت میں مخل ہو۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۶۱، مطبوعہ منشورات الرضی ایران، ۱۴۰۹ھ)

علامہ محمد بن احمد السفارینی متوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

نبوت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ نبی ہر اس چیز سے سلامت ہو جس سے لوگ متنفر ہوں جیسے ماں باپ کی بدکاری اور ایسے عیوب جن سے لوگ نفرت کرتے ہوں جیسے برص اور جذام وغیرہ۔

(لوامع الانوار ج ۲ ص ۲۶۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۱ھ)

اس پر قرآن مجید کی یہ آیتیں دلیل ہیں:

وانهم عندنا لمن المصطفين الاخيار (ص:۴۷)

ترجمہ: بیشک وہ سب (نبی) ہمارے نزدیک پسندیدہ اور بہترین لوگ ہیں۔

ان الله اصطفى ادم ونوحا وال ابراهيم وال عمران على العلمين ٥ (آل عمران:۳۳)

ترجمہ: بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام لوگوں سے پسندیدہ بنایا۔

اور جس شخص کو ایسی بیماری ہو جائے جس سے ایک سال تک وہ اپنی ازواج سے مقاربت نہ کر سکے اور جس کو صحیح نظر نہ آئے وہ تمام لوگوں سے پسندیدہ نہیں ہو سکتا، سو اس قسم کی وضعی روایت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی بنیاد ہی منہدم کر دیتی ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ پر جادو کیا گیا تھا تو جادوگر آپ کو نقصان پہنچانے میں اور آپ کے حواس اور قویٰ معطل کرنے میں کامیاب ہو گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

ولا يفلح الساحر حيث اتى. (طہ:۶۹)

ترجمہ: اور جادوگر کہیں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اور اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

ان عبادى ليس لك عليهم سلطن الا من اتبعك من الغوين. (الحجر:۴۲)

ترجمہ: بے شک میرے (مقبول) بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہو گا سوا ان کے جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں گے۔

یہ درست ہے کہ یہ روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی عظمت اور حرمت ہمارے دلوں میں پیوست ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور حرمت ہمارے دلوں میں ان سے کہیں زیادہ ہے بلکہ تمام مخلوق سے زیادہ ہے، یہ احادیث اضطراب اور تعارض سے قطع نظر معلل ہیں ان میں متعدد علل خفیہ قادحہ ہیں جن میں مخالف قرآن اور منافی عظمت رسول ہونا سب سے زیادہ نمایاں ہے، ہمارے لیے یہ زیادہ آسان ہے کہ ہم ایک سال یا چھ ماہ تک رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر ہونے کے بجائے یہ مان لیں کہ اس حدیث کی صحت میں امام بخاری سے چوک ہو گئی، اور اس حدیث میں امام بخاری اور مسلم صحت حدیث میں اپنے مقرر کردہ معیار کو برقرار نہیں رکھ سکے، ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث رواۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح نہیں ہے۔ اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم نے یہ روایت کیا ہے کہ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو عباس اور حضور بھی کندھے پر پتھر رکھ کر لا رہے تھے عباس نے آپ کا تہبند اتار کر آپ کے کندھے پر رکھ دیا تا کہ پتھر کندھے میں نہ چبھے۔ آپ بے لباس ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور ہوش میں آ کر فرمایا میرا تہبند، میرا تہبند، یہ اعلان نبوت سے پانچ سال کا واقعہ ہے اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۵ سال تھی، ہم نے اس جگہ بھی لکھا تھا یہ حدیث معلل ہے اور درایتاً صحیح نہیں ہے، کسی عمر کے بچے کے متعلق تو یہ بات متصور ہو سکتی ہے کہ اپنا تہبند کندھے پر رکھ لے، لیکن ۳۵ سال کے مرد کے لیے یہ قرین قیاس نہیں ہے اور اس عمر میں رسول اللہ ﷺ کا بے لباس ہو جانا ہمارے نزدیک لائق قبول نہیں ہے اور یہ ناموس رسالت کے منافی ہے اور ہر ایسی حدیث لائق قبول نہیں ہے۔ اس حدیث کی زیادہ سے زیادہ تاویل یہ ہو سکتی ہے جو علامہ ابوبکر جصاص نے کی ہے کہ یہودیوں نے اپنے منصوبہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر جادو کرایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبہ کو ناکام کر دیا اور آپ پر جادو کا کوئی اثر نہیں ہوا اور جن احادیث میں یہ جملے مذکور ہیں کہ آپ کو خیال ہوتا تھا کہ میں نے یہ بات کہہ دی ہے حالانکہ آپ نے نہیں کہی تھی یا آپ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ نے یہ کام کر لیا ہے اور آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا اسی طرح اور دوسری خرافات بیان کیں ہیں یہ سب کسی بے دین راوی کا اضافہ ہے اور حضرت ام المومنین پر بہتان ہے، یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے اور اس سال رسول اللہ ﷺ نے تبلیغی، تعلیمی اور فتوحات کے اعتبار سے بہت مصروف سال گزارا ہے اگر جادو کے اثر سے آپ کے حواس اور قویٰ ایک سال تک معطل رہے ہوتے تو اس سال یہ تمام کام کس طرح انجام دیے جا سکتے تھے، حدیث کی صحت کی تحقیق کرنے کرنے میں امام بخاری اور امام مسلم کی شخصیت مسلم ہے لیکن وہ بہر حال انسان ہیں نبی یا فرشتے نہیں ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ راویوں کی چھان پھٹک میں بعض اوقات ان سے کوئی سہو ہو گیا ہو، اور کسی ایک آدھ جگہ سہو ہو جانے سے ان کی عظمت اور مہارت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

....☆☆......................

آسمان کے برجوں کا بیان اور رجم شیاطین کی تحقیق

سرسید احمد خان

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

ولقد جعلنا فی السماء بروجا و زینھا للنظرین وحفظنھا من کل شیطن رجیم الا من استرق السمع فاتبعہ شہاب مبین۔

یعنی اور بیشک ہم نے پیدا کیے ہیں آسمانوں میں برج ان کو خوش نما کیا ہے دیکھنے والوں کے لیے اور ہم نے ان کو محفوظ رکھا ہے ہر ایک شیطان راندے گئے سے۔ مگر جس نے چرا یا سننے کو یعنی کوئی بات معلوم کر لی تو پیچھے پڑتا ہے اس کو شعلہ روشن۔

بروج صیغہ جمع کا ہے اور برج اسکا واحد ہے۔ برج کے معنی اس شے کے ہیں جو ظاہر اور اپنے ہم شکل چیزوں سے ممتاز ہو عمارت کا وہ حصہ جو ایک خاص صورت پر بنایا جاتا ہے گو وہ جزو اس عمارت کا ہوتا ہے مگر عمارت کے اور جزوں سے ممتاز اور نمایاں ہوتا ہے اس کو برج کہتے ہیں۔

اہل ھئیت نے جب ستاروں پر غور کی اور ان کو دیکھا کہ کچھ ستارے ایسی طرح پر متصل واقع ہوئے ہیں کہ باوجود کہ وہ اوروں سے بڑے اور اوروں سے کچھ زیادہ روشن نہیں ہیں مگر ایک خاص طرح پر واقع ہونے سے وہ اور سب سے علیحدہ دکھائی دیتے ہیں اور نمایاں ہیں۔ پھر ان کے نمایاں ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے دیکھا کہ سورج دولابی چال پر چلتا ہوا انہیں معلوم بلکہ حمائلی طور پر چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور یا اس کا چلن انہیں ستاروں کے پیچھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پتے معلوم ہوتا ہے اس وجہ سے وہ ستارے اور ستاروں سے زیادہ ممتاز و نمایاں ہو گئے۔

اس کے بعد اہل ہیئت نے دیکھا کہ اس طرح پر اور ایسے موقع سے جو اوروں سے ممتاز ہوں متعدد مجمعے ستاروں کے واقع ہیں مگر ان میں بارہ مجمعوں کو اسطرح پایا کہ وہ ایسی ترتیب سے واقع ہیں کہ اگر ان سب پر ایک دائرہ فرض کیا جائے تو کرہ پر دائرہ عظیمہ ہوگا۔ پھر ان کو سورج بھی اس طرح پر چلتا ہوا دکھائی دیا اور اسی طرح پر سورج کے چلنے سے اختلاف فصول ان کو تحقق ہوا ۔پس انہوں نے ان ستاروں کے بارہ مجمعوں کی تعداد کے موافق آسمان کے بارہ مساوی حصے فرض کیے اور ہر ایک حصہ ان ستاروں کے ایک ایک مجمعے کے لیے قرار دیا اور ہر حصہ کا نام برج رکھا کیوں کہ اپنے ستاروں کے خاص مجمع سے وہ علیحدہ ممتاز اور نمایاں تھا۔

اس کے بعد اہل ہیئت نے چاہا کہ ہر ایک برج کے جدے جدے نام رکھے جائیں تا کہ اس نام سے اس حصے اور ستاروں کے مجمع کو بتا سکیں انہوں نے خیال کیا کہ اگر ان ستاروں کے مجمع میں سے جو ستارے کناروں پر واقع ہیں اگر ان کو خطوط سے ملا ہوا فرض کریں تو کیا صورت پیدا ہوتی ہے اس طرح خیال کرنے سے کسی کی صورت انسان کی بن گئی کسی کی کسی جانور کی وغیرہ وغیرہ اس لیے انھی ناموں سے انھوں نے اس حصے کو اور اس مجمع ستاروں کو موسوم کیا اور اسکے یہ نام قرار دیے:

حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔

غالباً یہ تفتیش اولاً مصریوں نے کی ہوگی جن کا آسمان ہمیشہ ابر وغیرہ سے صاف رہتا تھا اور ہمیشہ ان کو ستاروں کے دیکھنے کا اور ان کو پہچاننے کا بخوبی موقع ملتا تھا۔ مگر یہ نام اور یہ تقسیم تمام قوموں میں اور بہت قدیم زمانہ کے عرب جاہلیت میں عام ہو گئے تھے اور آسمان کے اس حصہ کو برج سے اور اسکے کل حصوں کو جو تعداد میں بارہ تھے بروج سے نامزد کرتے تھے اسی کی نسبت خدا نے فرمایا

ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزینٰها للناظرین۔

مفسرین نے بروجا کی تفسیر قصورا سے لی ہے بلا شبہ یان کا قصور ہے خدا نے [illegible] ج کہا ہے جس کو اہل عرب بلکہ تمام قومیں بروج سمجھتی تھیں اور نہایت نادانی ہے اگر ان بروج کی [illegible] میں سورہ نساء کی یہ آیت پیش کی جاوے کہ۔ این ما تکونوا یدرککم

الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة اس کے بعد کی آیت یہ ہے کہ او حفظنٰها من کل شیطان رجیم۔

اس آیت کے تو یہ معنی ہیں کہ ہم نے اس کو یعنی آسمان کو یا ان کو یعنی برجوں کو محفوظ رکھا شیطان پھٹکارے گئے سے اور سورہ صافات میں اسی کی مانند ایک آیت ہے کہ۔

انا زینا السماء الدنیا بزینة ن الکواکب وحفظا من کل شیطان مارد (۳۷۔صافات ۶،۷)

جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے خوش نما کیا دنیا کے آسمان کو ستاروں کی خوش نمائی سے اور محفوظ کیا ہر شیطان سرکش سے۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے حفظا کو جو سورہ صافات میں ہے مفعول لہ قرار دیا ہے۔ زینا کا اور اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ " واسطے حفاظت کے ہر شیطان سرکش سے" جس کا یہ مطلب ہے کہ ستاروں سے آسمان جو محفوظ کیا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے اور ابن عباس کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے اسمیں حفظا کی تفسیر کی ہے کہ "حفظت بالنجوم" یعنی میں نے آسمان کی ستاروں سے اس تفسیر سے بھی حفظا کے پہلے واؤ عاطفہ ہے اور عطف جملہ کا جملہ پر ہے مگر باوجود موجود ہونے واؤ کے "حفظا" کو مفعول قرار دینا درحال کہ اس کے ماقبل کوئی مفعول لہ جس پر اس کا عطف ہو سکے نہیں ہے۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ پس صاف بات ہے کہ یہ جملہ علیحدہ ہے اور بقرینہ علیحدہ ہونے جملہ کے حفظا مفعول ہے۔ فعل محذوف حفظا کا۔ پس شاہ ولی اللہ صاحب نے جو فارسی ترجمہ کیا ہے وہ صحیح ہے کہ "ونگاہ داشتیم از ہر شیطان سرکش" مگر انہوں نے اس ۔ کہ مفعول کو ظاہر نہیں کیا کہ "کسی انگاہ داشتیم ۔پس اگر اس کا مفعول بتا دیا جائے تو مطلب صاف ہو جاتا ہے ۔یعنی ونگاہ داشتیم آسمان را یا کواکب را مگر جب ہم قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کریں تو صاف یہ تفسیر ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے سورۃ حجر کی آیت میں صاف فرمایا ہے کہ "وحفظنٰها" پس سورہ صافات میں جو الفاظ حفظا آئے ہیں ان کی تفسیر اسی کی مطابق یہ ہے کہ وحفظنٰها حفظا من کل شیطان مارد ۔یعنی ہم نے آسمان یا ستاروں کو ہر طرح کی حفاظت میں شیطان سرکش سے محفوظ رکھا ہے۔

سورہ ملک میں جو خدا نے یہ فرمایا کہ " وزینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلنٰها رجوما للشیاطین "۔رجوما کے معنی مارنے یا پتھر مارنے کے اور شیاطین سے جن یا اور کو

© rasailojaraid.com